درس ۲۰

سورۃ العصر میں بیان کردہ شرائطِ نجات
میں سے آخری شرط

صبر و مصابرت

سورۂ آل عمران کی آخری آیت کی روشنی میں

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم ...... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرَّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ۝﴾ ...... صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡمُ

مطالعۂ قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کا سلسلہ وار درس ان مجالس میں ہو رہا ہے اس کا پانچواں حصّہ مباحثِ صبر و مصابرت پر مشتمل ہے۔ اس کے لئے ایک نہایت جامع اور موزوں عنوان کے طور پر سورۂ آل عمران کی آخری آیت کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس آیۂ مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے:

> ''اے ایمان والو! صبر کی روش اختیار کرو اور صبر کے معاملے میں (اپنے مخالفین اور اپنے دشمنوں پر) بازی لے جاؤ اور (ہر جانب سے چوکس اور چوکنے رہ کر) حفاظت کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

اس آیۂ مبارکہ کا اختتام ''فلاح'' کے لفظ پر ہوا اور یہاں فلاح کا ذکر مؤمن کے اصل مقصود کی حیثیت سے آیا ہے۔ فلاح کے معنی اور مفہوم پر اس سے پہلے اس منتخب نصاب میں سورۂ مؤمنون کی پہلی آیت ﴿قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ﴾ کے حوالے سے

مفصل گفتگو ہو چلی ہے۔ یہاں سب سے پہلے تقویٰ کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے۔ تقویٰ قرآن حکیم کی ایک نہایت جامع اصطلاح ہے۔ تقویٰ کا مادہ ''و‘ ق‘ ی'' ہے۔ اس کا لغوی مفہوم ہے: بچنا۔ سوال یہ ہے کہ کس شے سے بچنا؟ مراد ہے کہ اس دنیا میں اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنا‘ آخرت میں اللہ کے غضب اور اس کی سزا سے بچنا۔ گویا تقویٰ پورے دینی عمل کے لئے یا سلوکِ قرآنی کے لئے ایک مستقل روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح دنیا میں ہم ع '' ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں'' کے مصداق بہتری کے حصول کی کوشش کرتے ہیں‘ دین میں بھی خوب تر کی طرف پیش قدمی کرنا ہمارا مقصودِ حیات ہونا چاہئے۔ اسی لئے فرمایا: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ کہ نیکیوں میں‘ خیر میں‘ بھلائی میں‘ ایمان میں‘ عمل صالح میں مسلسل ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے رہو۔ اس کے لئے جو قوتِ محرکہ درکار ہوسکتی ہے‘ قرآن اسے لفظِ تقویٰ سے تعبیر کرتا ہے۔

اس ضمن میں سورۃ المائدۃ کی آیت ۹۳ بہت اہم ہے جس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ انسان کے علمی و عملی ارتقاء کا دارومدار روحِ تقویٰ پر منحصر ہے۔ فرمایا:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

کہ جب کھانے پینے کی چیزوں میں حلت و حرمت کا پورا ضابطہ بیان ہوگیا تو کچھ مسلمانوں کے دل میں ایک تشویش سی پیدا ہوئی کہ جو چیزیں ہم پہلے استعمال کر چکے ہیں‘ ایسا تو نہیں کہ ان ناجائز چیزوں کے اثرات ہمارے وجود میں باقی رہ جائیں اور وہ ہمارے اعمالِ صالحہ پر اثر انداز ہوں! ان کی اس تشویش کے ازالے کے لئے فرمایا کہ اہل ایمان نے اس سے پہلے جو کچھ کھایا یا پیا ہے اس کی ان سے کوئی باز پرس نہیں‘ اس سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا‘ جبکہ انہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی۔ اس کو اگلے جملے میں یوں بیان فرمایا: ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ کہ جب انہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی‘ ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا﴾ پھر مزید تقویٰ ان میں پیدا ہوا‘ اور انہیں ایمان میں مزید ترقی حاصل ہوئی ...... یہاں

ایمان کے دو مراتب یا مدارج کی جانب اشارہ فرمایا۔ایک ایمان کا اوّلین یا ابتدائی مرحلہ ہے جس میں عمل صالح کا ذکر ایک جداگانہ entity کی حیثیت سے کیا گیا ہے اور دوسرا ایمان کا اس سے برتر اور اعلیٰ مرتبہ ہے جہاں عمل اور ایمان ایک وحدت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں' لہٰذا پھر عمل کے دوبارہ ذکر کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مزید فرمایا: ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا﴾ پھر ان میں تقویٰ اور بڑھا اور نتیجتاً وہ درجۂ احسان پر فائز ہو گئے۔اور یہ تقویٰ کی معراج ہے۔﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ o﴾ ''اور اللہ تعالیٰ محسنین سے محبت کرتا ہے۔''تو سورۂ آل عمران کی اس آخری آیت کے آخری حصے ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ میں تو گویا اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو گیا' اب اس کے پہلے ٹکڑے پر توجہ مرتکز کیجیے جو منتخب نصاب میں ہمارے آج کے موضوع کے اعتبار سے اہم تر ٹکڑا ہے۔

فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا﴾ آیت کے اس حصے میں ''صبر'' ہی سے دو فعل امر وارد ہوئے ہیں' دو حکم ہیں کہ جو مسلمانوں کو دیے گئے۔ ایک ''اِصْبِرُوْا'' یعنی صبر کرو اور دوسرے ''صَابِرُوْا''۔ یہاں یہ ''بابِ مفاعلہ'' سے صیغۂ امر ہے۔جس طرح اس باب میں قتل سے ''مقاتلہ'' اور جہد سے ''مجاہدہ'' کے مصادر آتے ہیں اسی طرح صبر سے مصدر ہو گا ''مصابرہ''۔صبر ایک یک طرفہ عمل ہے۔ صبر کے معنی ہیں اپنے آپ کو روک کر رکھنا' تھام کر رکھنا اور اس کے دو پہلو ہیں۔ایک یہ کہ اپنی منزل اور اپنے ہدف کے تعین کے بعد انسان پوری ثابت قدمی سے اس کی طرف پیش قدمی جاری رکھے۔کوئی مخالفت' کوئی رکاوٹ' کوئی تشدد' اسے اپنے مقصد اور اپنی منزلِ مقصود کی جانب پیش قدمی سے روک نہ سکے۔اور دوسرا پہلو یہ کہ کوئی طمع' کوئی لالچ' یا کسی اعتبار سے مرغوباتِ نفس کی کوئی کشش بھی اس کی راہ میں حائل نہ ہونے پائے۔یہ دونوں پہلو ''صبر'' میں مضمر ہیں۔

محض صبر نہیں' مصابرت درکار ہے

جیسا کہ اس سے پہلے بارہا عرض کیا جا چکا ہے' ایک بندۂ مؤمن جس ماحول میں ایمان اور عمل کی منزلیں طے کرتا ہے وہاں کوئی خلا نہیں ہوتا۔اگر اس کا ایک مخصوص

نظریہ ہے تو اسی معاشرے میں اور بھی نظریات کارفرما ہیں' جہاں اس کا ایک مسلک ہے وہاں دوسرے مسالک کے لوگ بھی موجود ہیں۔ یہ دنیا مختلف نظریات کی ایک آماج گاہ ہے' یہاں تو کشمکش بلکہ کشاکش (struggle) ہو کر رہے گی۔ چنانچہ ''صبر'' کے بعد دوسرا لفظ یہاں آیا ''وَصَابِرُوْا''۔ مصابرہ کا لفظ مجاہدہ اور مقابلہ کے وزن پر آتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اہلِ کفر اپنے نظریات کے دفاع میں صبر کریں گے' اہلِ شرک اپنے معبودانِ باطل کے لئے ایثار کا وطیرہ اپنائیں گے' اے اہلِ ایمان! تمہیں اللہ کے لئے' اس کے دین کی سربلندی کے لئے صبر کرنا ہے اور صبر میں ان سب معاندین پر بازی لے جانا ہے۔ جب تک تم انہیں اس مقابلۂ صبر میں نیچا نہ دکھاؤ گے' آگے نہ بڑھ سکو گے۔ ہونا یہ چاہئے کہ اس تصادم' کشمکش اور ٹکراؤ میں تمہارا صبر دوسروں کے صبر پر سبقت لے جائے' تمہارا ایثار و قربانی دوسروں سے بڑھ جائے' تم اپنے مقصد کے حصول کے لئے جان و مال نچھاور کرنے میں دوسروں پر بازی لے جاؤ۔ اگر تم نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا تو کامیابی تمہارے قدم چومے گی اور ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ کا معاملہ صرف اسی ایک صورت میں ممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیۂ مبارکہ ہمارے منتخب نصاب کے اس پانچویں حصّے کے لئے نہایت موزوں اور بہت جامع عنوان کی حامل ہے۔ اب آیئے ذرا ایک نگاہِ بازگشت ڈالیں کہ صبر کا ذکر اس سے پہلے ہمارے اس منتخب نصاب میں کہاں کہاں ہوا ہے۔

گزشتہ اسباق میں ''صبر'' کا ذکر

ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ منتخب نصاب کا پہلا حصّہ چار جامع اسباق پر مشتمل تھا اور ان چاروں اسباق میں چوٹی کی چیز اور آخری منزل صبر ہی کی تھی۔ سورۃ العصر کی طرف آیئے' سورۃ کا اختتام ''صبر'' ہی کے لفظ پر ہوا:

﴿وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○﴾

آیۂ بر کو دیکھئے‘ نیکی اور تقویٰ کا نقطۂ عروج (climax) وہاں کن الفاظ میں بیان ہوا: ﴿وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ﴾ ۔اگلے سبق یعنی سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع پر نگاہ ڈالئے‘ آیت ۱۷ میں صبر کا ذکر موجود ہے: ﴿یٰـبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَکَ﴾ ۔سورۂ حٰم السجدۃ کی آیات ۳۰ تا ۳۶ پر توجہ کو مرکوز کیجئے‘ وہاں بھی صبر کا ذکر بڑے اہتمام سے ہوا: ﴿وَمَا یُلَقّٰھَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ج وَمَا یُلَقّٰھَا اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ o﴾ ان چاروں جامع اسباق میں جس بلند ترین اور آخری منزل کی نشان دہی کی گئی وہ صبر ہی ہے۔ ان چاروں مقامات میں صبر کا وہ پہلو زیادہ پیشِ نظر ہے جس سے انسان اس وقت دوچار ہوتا ہے جب وہ تواصی بالحق‘ دعوت الی اللہ اور ’’امر بالمعروف و نہی عن المنکر‘‘ کا فریضہ سرانجام دے رہا ہو۔ ظاہر بات ہے کہ حق کی بات کہنی ہے تو طبیعت میں سہار اور تحمل کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ’’اَلْحَقُّ مُرٌّ‘‘ یعنی سچ کڑوا ہوتا ہے۔ سچائی عام طور پر قابل قبول نہیں ہوتی۔ لہٰذا تکالیف آئیں گی‘ ان کو جھیلنے کے لئے صبر کا بھرپور مادہ ہونا چاہئے۔ پہلے سے تیار ہو جاؤ کہ یہ راستہ پُرخار ہے‘ اس میں مخالفتوں کے کانٹے بچھے ہوئے ہیں‘ یہ پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ اس کے بارے میں سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع میں ہم یہ پڑھ آئے ہیں: ﴿اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ کہ یہ کام بڑی ہمت کے متقاضی ہیں۔

اس کے بعد عمل صالح کی تفاصیل پر مشتمل جو حصہ سوم ہمارے اس منتخب نصاب میں آیا وہاں سورۃ الفرقان میں لفظ صبر ایک دوسری شان کے ساتھ وارد ہوا تھا۔ فرمایا: ﴿اُولٰٓئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَۃَ بِمَا صَبَرُوْا﴾ ’’یہ ہیں وہ لوگ جن کو جنت کے بالا خانے عطا کئے جائیں گے اس صبر کے عوض جو انہوں نے کیا‘‘ ...... یہاں لفظ صبر درحقیقت انسانی شخصیت اور اس کی سیرت و کردار کے ایک نہایت ہمہ گیر پہلو کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان پر کاربند رہنا بھی ممکن نہیں جب تک کہ صبر نہ ہو‘ عمل صالح کے بنیادی تقاضے بھی پورے نہیں ہو سکتے جب تک انسان میں صبر کا مادہ نہ ہو۔ اپنے جذبات کو تھامنا بھی صبر ہی سے ممکن ہوتا ہے اور خواہشات کی لگامیں بھی

صبر ہی کے ذریعے کھینچی جاسکتی ہیں۔ سوۃ النازعات کی آیت: ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝﴾ میں صبر ہی کا تو بیان ہے کہ خواہشات کو دبانا، شہوات کو لگام دینا اور مرغوباتِ نفس کے حصول کے لئے طبیعت میں جو طوفان بپا ہے اس کو روک کر رکھنا ہوگا، تبھی ایمان پر گامزن رہنا اور عملِ صالح کے ابتدائی تقاضے پورے کرنا ممکن ہوگا، تبھی اس راہ میں آگے قدم بڑھانے کا امکان ہوگا۔ پھر جب احقاقِ حق اور ابطالِ باطل، یا بالفاظ دیگر اعلاءِ کلمۃ اللہ اور غلبۂ دین کی جدوجہد کا مرحلہ آتا ہے تو ظاہر بات ہے یہاں نمایاں ترین وصف صبر اور مصابرت ہی کا ہے۔

اسی مفہوم کی تائید سورۂ مؤمنون میں اس طرح سے ہوتی ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کافروں سے جو دنیا میں حق کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے رہے، یہ فرمائیں گے: ﴿اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْا﴾ کہ یہ لوگ جن کا تم دنیا میں استہزاء اور تمسخر کرتے رہے، جن کی عملی جدوجہد میں تم رکاوٹ بنتے رہے، جنہیں کمزور دیکھ کر تم نے دبائے رکھا اور وہ کمالِ ہمت و بردباری سے صبر کا دامن تھامے رہے، دیکھو آج اس صبر کی بدولت میں انہیں کیسا عمدہ بدلہ دے رہا ہوں، کیا اعلیٰ مقامات انہیں حاصل ہو رہے ہیں!! حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں صبر کا ذکر اس طور سے کیا گیا ہے کہ سلوکِ قرآنی میں صبر بنیادی اور لازمی جزو کی حیثیت رکھتا ہے اور صراطِ مستقیم کا ہر ہر مرحلہ صبر ہی کے ذریعے طے پاتا ہے۔ اس پورے عمل کی روحِ رواں، اس کے جذبۂ محرکہ اور اس کی شرطِ ناگزیر کے طور پر صبر ہی کا ذکر ہوتا ہے۔ اب آیئے اس پہلو سے جائزہ لیں کہ ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے قرآن مجید میں صبر کا ذکر کس طور سے آیا ہے!۔

نبی اکرم ﷺ کو صبر کی تاکید و تلقین

قرآن حکیم کی ابتداءً نازل ہونے والی سورتوں میں ہر جگہ صبر کا لفظ فعل امر بصیغہ واحد وارد ہوا ہے اور اس کے مخاطب اوّلین خود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ پر جب وحی کا نزول شروع ہوا تو فریضۂ رسالت کی ادائیگی کے پہلے حکم کے ساتھ ہی صبر کی ہدایت بھی نازل ہوئی۔ فرمایا گیا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ۝ وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ ۝

وَالرُّجزَ فَاهجُرْ o وَلاَ تَمنُنْ تَستَكثِرُ o وَلِرَبِّكَ فَاصبِرْ o﴾
دیکھئے آخری آیت میں صبر کا حکم موجود ہے۔جس راہ پر آپ نے قدم رکھا ہے یہ اس کا لازمی تقاضا ہے۔اب جھیلنا ہوگا' برداشت کرنا ہوگا' تحمّل کا مظاہرہ کرنا ہوگا' مصائب' تکالیف اور آزمائشوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنا ہوگا۔ چنانچہ ابتدائی ہر وحی میں نمایاں طور پر لفظ صبر کہیں حکم کے انداز میں اور کہیں تلقین و ہدایت کے پیرائے میں آتا ہے۔ سورۂ قلم کا اختتام ان الفاظِ مبارکہ پر ہوتا ہے: ﴿فَاصبِرْ لِحُكمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ﴾ کہ اے نبی! اپنے ربّ کے حکم کا انتظار کیجئے اور اس کے لئے صبر کی روش پر کاربند رہئے' خود کو تھامے رکھئے' روکے رکھئے اور اس مچھلی والے یعنی حضرت یونسؑ کے مانند نہ ہو جایئے جنہوں نے کچھ جلدی کی تھی۔کہیں فرمایا جاتا ہے: ﴿فَاصبِرْ لِحُكمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا o﴾ کہ اپنے ربّ کے لئے صبر کیجئے' اس کے حکم کا انتظار کیجئے اور ان گناہوں میں ڈوبے ہوئے منکر لوگوں کی باتوں میں نہ آ جایئے۔کہیں صبر کی تلقین ان الفاظ میں کی جاتی ہے: ﴿فَاصبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا o﴾ پس صبر کیجئے خوبصورتی کے ساتھ!......ایک مجبوری کا صبر ہوتا ہے۔مثلاً کسی نے آپ کو گالی دی اور آپ نے جواباً گالی دے دی اور دعویٰ یہ ہے کہ میں صبر کر رہا ہوں! یہ صبر جمیل نہیں ہے۔جھیلئے' برداشت کیجئے اور خوبصورتی کے ساتھ صبر کیجئے۔ کہیں حکم ہوتا ہے: ﴿فَاصبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ صبر کیجئے اور صبر کے لئے آپ کا سہارا اللہ کی ذات ہے۔اللہ سے قلبی تعلق اور اللہ پر توکل و اعتماد' یہی آپ کے لئے صبر کی اصل بنیادیں ہیں۔ایک جگہ فرمایا: ﴿فَاصبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ صبر کیجئے جیسے کہ ہمارے صاحبِ عزیمت رسول صبر کرتے رہے ہیں۔سورۃ العنکبوت میں حضرت نوحؑ کا ذکر ہے کہ ساڑھے نو سو برس تک دعوت دیتے رہے۔مخالفت ہوئی' انکار و اعراض اور مسلسل تمسخر و استہزاء ہوا' لیکن وہ اپنے فرضِ منصبی کی ادائیگی میں لگے رہے' ان کے پائے ثبات میں کہیں لغزش نہ آئی۔ یہ ہے قرآن مجید کی ابتدائی سورتوں میں صبر کا حکم جو بتکرار و اعادہ نبی اکرم ﷺ کے لئے وارد ہوا۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ آنحضور ﷺ نے جب دعوت کا آغاز فرمایا تو سب سے پہلا ردعمل جو اس معاشرے کی جانب سے ظاہر ہوا وہ تمسخر و استہزاء کی صورت میں تھا۔ اس میں کہیں کہیں ظاہری ہمدردی کا عنصر بھی شامل ہوتا تھا' کہ نہ معلوم بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا' اچھے بھلے آدمی تھے' ہمیں تو ان سے بڑی اچھی توقعات تھیں' بڑی اچھی اُمیدیں ان سے وابستہ تھیں' نہ معلوم کیا ہوا ہے۔ اسی طرح "نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ" اور "نقلِ کفر کفر نہ باشد" کوئی کہتا کہ خللِ دماغی کا کوئی عارضہ لاحق ہو گیا ہے' کوئی جنون کا عارضہ ہو گیا ہے یا کسی آسیب کا سایہ ہو گیا ہے۔ یہ باتیں استہزاءً بھی کہی گئیں اور تمسخر کے انداز میں بھی' ہمدردانہ بھی کہی گئیں اور تاسف کے ساتھ بھی۔ ان سب باتوں کے جواب میں نبی اکرم ﷺ کو صبر کرنے' جھیلنے اور برداشت کرنے کا حکم دیا گیا۔ انتیسویں پارے کی دوسری سورۃ "ن" جسے سورۃ القلم بھی کہتے ہیں' کی ابتدائی آیات کے پس منظر میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے نبی اکرم ﷺ معاندین کے اس طرزِ عمل پر بہت ملول اور غمگین ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَ ۝ بِاَیِّکُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝﴾

"گواہ ہے قلم اور جو کچھ کہ یہ لکھتے ہیں۔ اے نبی! آپ (ﷺ) اپنے ربّ کی رحمت اور نعمت سے مجنون نہیں ہیں (آپ ملول و غمگین اور رنجیدہ نہ ہوں' آپ ان پاگلوں کے کہنے سے کہیں پاگل تھوڑا ہی ہو جائیں گے) اور یقیناً آپ کے لئے وہ اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہو گا اور آپ تو اخلاق کی بلندیوں پر فائز ہیں (کیا دنیا نے ایسا پاگل اور ایسا مجنون کبھی دیکھا ہے جو خلقِ عظیم کا پیکر ہو' کردار اور شرافت میں کوئی اس کا ہمسر نہ ہو؟) یہ کوئی دن کی بات ہے کہ آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے (ساری دنیا دیکھ لے گی) کہ کس کا دماغ اُلٹ گیا تھا (کس کو دماغ کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ جلد ہی حقیقت سامنے آ جائے گی)"۔

سورۂ نون کا اختتام اس آیت پر ہو رہا ہے جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے کہ: ﴿فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ وَلَا تَکُنْ کَصَاحِبِ الْحُوْتِ﴾ کہ اے نبی' جھیلئے' برداشت

کیجئے اپنے ربّ کے حکم کا انتظار کیجئے کہ وہ کب فیصلہ سناتا ہے اور حضرت یونسؑ کی طرح کوئی عاجلانہ اقدام نہ کیجئے۔

ابتدا میں تو یہ تمسخر واستہزاء کسی درجے میں کچھ ہمدردانہ انداز کا تھا، لیکن جیسے جیسے بات آگے بڑھی تمسخر واستہزاء کا معاملہ سختی اور شدت کا روپ دھارتا چلا گیا۔ چنانچہ اس کی جھلک سورۂ مزمل کی اس آیت کے پس پردہ نظر آتی ہے: ﴿وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ۝﴾ کہ اے نبیؐ صبر کیجئے ان کڑوی باتوں پر جو یہ کہہ رہے ہیں اور ان سے قطع تعلق کر لیجئے، لیکن یہ قطع تعلق ہجرِ جمیل ہو۔ اگلی آیت میں بھی یہی مضمون بیان ہوا: ﴿وَذَرْنِیْ وَالْمُكَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ۝﴾ چھوڑ دیجئے مجھے اور ان جھٹلانے والوں کو جو بڑے دولت مند ہیں، سرمایہ دار ہیں، صاحب اقتدار اور صاحب وجاہت لوگ ہیں، ہم ان سے نپٹ لیں گے۔ آپ اپنی توجہ کو اپنی دعوت وتبلیغ پر مرتکز رکھئے۔ آپ ان کی جانب التفات نہ فرمایئے، ان سے نپٹنے کے لئے ہم کافی ہیں۔ ﴿اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِیْمًا ۝ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا ۝﴾ ہمارے پاس ان کے لئے عذاب کا پورا سامان مہیا ہے جو منہ کھولے ان کا منتظر ہے۔ یہ کہیں بچ نہ نکلیں گے۔ لیکن آپ ان سے چشم پوشی فرمایئے۔

ایک اور مقام پر بڑے خوبصورت انداز میں یہ بات بیان فرمائی: ﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْلَ﴾ کہ آپؐ ان منکروں سے اپنی توجہ کو ہٹا لیجئے، ان مخالفین کی جانب ملتفت ہی نہ ہوں، ان کے استہزاء کی طرف توجہ ہی نہ کیجئے، آپؐ لگے رہیے دعوت وتبلیغ اور فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں، انذار اور تبشیر میں۔ ﴿فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ط لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ﴾ (سورۃ الغاشیہ) آپؐ یاد دہانی کراتے رہئے، آپؐ کا کام یاد دہانی کرانا ہے، آپؐ ان پر نگران اور ان کے ذمہ دار نہیں ہیں، آپؐ سے یہ باز پُرس نہیں ہوگی کہ انہوں نے کیوں آپؐ کی دعوت پر لبیک نہ کہا!...... سورۃ الاعلیٰ میں یہی بات ایک اور انداز سے آئی: ﴿فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰی ۝ سَیَذَّكَّرُ مَنْ یَّخْشٰی ۝﴾ کہ آپؐ تذکیر کرتے رہئے اگر وہ تذکیر مفید ہو، اس کے مفید نتائج ظاہر ہوں۔ جس کے دل میں کچھ بھی اللہ کا خوف ہے، کسی بھی درجے میں اسے اپنے خالق

اور مالک اور اس کے حضور میں لوٹنے کا خیال ہے تو وہ اس سے نصیحت اخذ کرے گا اور اس تذکیر سے فائدہ اٹھائے گا۔

صحابہ کرام کے لئے صبر کے مرحلے کا آغاز

بہر حال صبر کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کو سب سے پہلے تمسخر و استہزاء اور مذاق کے مقابلے میں جمے رہنے' ڈٹے رہنے' جھیلنے' برداشت کرنے اور ثابت قدم رہنے کا حکم ہوا۔ تاریخی اعتبار سے یہ بات جان لینی چاہئے کہ تقریباً تین برس تک نبی اکرم ﷺ کی دعوت اندر ہی اندر باہمی گفتگوؤں اور انفرادی رابطوں (personal contacts) تک محدود رہی۔ ابھی لوگوں کو خطرے کا زیادہ احساس نہیں ہوا۔ نبوت کے چوتھے برس لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ دعوت تو ایک بہت بڑے چیلنج کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ ع "نظامِ کہنہ کے پاسبانو' یہ معرضِ انقلاب میں ہے"۔ تب ان کے کان کھڑے ہوئے اور سوچنے لگے کہ آپؐ کا راستہ روکنا ہوگا' جسے ہم مشتِ غبار سمجھے تھے یہ تو ایک تیز و تند آندھی بن کر ہمارے اس پورے نظام' ہمارے مفادات اور اس پورے معاشرتی ڈھانچے اور vested interests کو خس و خاشاک کی طرح اڑا کر منتشر کر دے گی۔ یہیں سے وہ دَور شروع ہوا جسے سیرت کی کتابوں میں "تَعْذِیْب الْمُسْلِمِیْنَ" یعنی مسلمانوں کی ایذا رسانی اور بہیمانہ تشدد (Persecution) کا دَور کہا جاتا ہے۔ کفار کی طرف سے جب مسلمانوں پر شدید جسمانی تشدد کیا جانے لگا تو بعض مسلمانوں کو کچھ گھبراہٹ لاحق ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۃ عنکبوت میں بھرپور خطاب وارد ہوا۔ چنانچہ صبر و مصابرت کی بحث میں قرآن کا اوّلین مقام جو ہمارے اس منتخب نصاب میں شامل ہے وہ سورۃ عنکبوت کے پہلے رکوع پر مشتمل ہے۔ اب اسی پر آئندہ گفتگو ہوگی۔ ان شاء اللہ!

النسخ فی القرآن (۳)

تعریف' اقسام اور منسوخ آیات

کے بارے میں مروی روایات کی اسنادی حیثیت

حافظ نذیر احمد ہاشمی ☆

نسخ کی تیسری قسم وہ ہے کہ جس میں آیت کریمہ کی تلاوت منسوخ ہوگئی ہو مگر اس کا حکم باقی ہو۔ بعض لوگوں نے اس قسم کے متعلق یہ سوال پیش کیا ہے کہ آخر حکم کے باقی رہتے ہوئے تلاوت کو رفع کرنے میں کیا حکمت تھی اور کیا باعث تھا؟ اس کا جواب علامہ زرکشی نے علامہ ابن الجوزی سے یوں نقل کیا ہے:

> قال صاحب فنون الافنان فی عجائب علوم القرآن انما کان کذلک لیظهر به مقدار طاعة هذه الامة فی المسارعة الی بذل النفوس بطریق الظن من غیر استفصال لطلب طریق مقطوع به فیسرعون بایسر شیء' کما سارع الخلیل الی ذبح ولده بمنام والمنام ادنی طرق الوحی (۴۴)

''صاحب فنون الافنان نے عجائب علوم القرآن میں کہا ہے کہ اس طریقے سے امت محمدیہ کی مزید اطاعت گزاری اور فرماں برداری کا اظہار مقصود تھا اور یہ دکھانا تھا کہ کس طرح اس اُمت مرحومہ کے لوگ صرف ظن کے طریق سے بغیر اس کے کہ کسی مقطوع بہ طریق کی تفصیل طلب کریں' راہِ خدا میں بذل نفوس کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور ذرا سا اشارہ پاتے ہی (اس طرح مالی و بدنی

☆ لیکچرر عربیک' قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس

(۴۴) البرھان فی علوم القرآن' ج ۲' ص ۳۷

قربانی پر تیار ہو جاتے ہیں) جس طرح کہ ابراہیمؑ خلیل اللہ نے محض خواب دیکھنے کی بناء پر اپنے بیٹے کو راہِ خدا میں ذبح کرنے پر مسارعت کی تھی' حالانکہ خواب وحی کا ادنیٰ طریق ہے''۔

اس قسم کے منسوخ کی مثالیں بکثرت ہیں۔ چند ایک درج ذیل ہیں:

۱) عن ابی موسیٰ الاشعری : انا کنا نقرء سورة کنا نشبهها فی الطول والشدة ببراءة فانسیتها غیر انی احفظ منها: لو کان لابن آدم وادیان من مال لا بتغی وادیا ثالثا ' ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب' وکنا نقرء سورة نشبهها باحدی المسبحات فانسیتها غیر انی حفظتُ منها : یاَیُّها الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ فَتُکْتَبُ شَهادَةً فِیْ اَعْنَاقِکُمْ فَتُسْأَلُوْنَ عَنْهَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ(۴۵)

''ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ ہم قرآن مجید کی ایک ایسی سورت پڑھا کرتے تھے جس کو طوالت اور شدت میں ہم سورۂ براءۃ کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے۔ بعد میں وہ سورت مَیں بھول گیا اور اس میں سوائے مندرجہ ذیل کلمات کے مجھے کچھ بھی یاد نہیں رہا:''لو کان لابن آدم وادیان من مال ......الخ''۔ (اسی طرح) ہم مسبحات کے مشابہ ایک سورۃ پڑھا کرتے تھے' بعد میں وہ سورت میں بھول گیا اور اس میں سوائے مندرجہ ذیل آیات کے مجھے کچھ بھی یاد نہیں رہا: ﴿یاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ ......﴾ الخ''

علامہ سیوطی نے الاتقان فی علوم القرآن میں اس قسم کی منسوخ آیات کی جو مثالیں ذکر کی ہیں یہاں میں ان ہی کی ذکر کردہ مثالیں نقل کرنے پر اکتفا کروں گا۔ پہلے ان کی ذکر کردہ احادیث کا تذکرہ کروں گا اور پھر حاشیہ میں ان کے راویوں کے بارے میں ماہرینِ علم اسماء الرجال کی آراء پیش کروں گا تاکہ ان کی روشنی میں ان احادیث کی اسنادی حیثیت کا تعین ہو سکے۔ علامہ سیوطی کی بیان کردہ پہلی مثال:

قال ابوعبید حدثنا اسماعیل بن ابراهیم عن ایوب عن نافع عن ابن عمر قال : لیقولن احدکم قد اخذت القرآن کله وما یدریه ما کله قد

۴۵) صحیح مسلم ' کتاب الزکاۃ' باب کراهیة الحرص علی الدنیا

ذهب منه قرآن كثير ولكن ليقل قد اخذت منه ما ظهر (۴۶)

علامہ سیوطی کی بیان کردہ دوسری مثال:

حدثنا ابو عبيد حدثنا عبد الله بن صالح (۴۷) عن هشام (۴۸) بن سعيد عن زيد (۴۹) بن اسلم عن عطاء (۵۰) بن يسار عن ابی واقد الليثی قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اوحی اليه اتيناه فعلمنا مما اوحی اليه قال: فجئت ذات يوم فقال: ان الله يقول: انا انزلنا المال لاقام الصلوة وايتاء الزكوة ولو ان لابن ادم واديا لاحب ان يكون اليه الثانی ولو كان له الثانی لاحب ان يكون اليهما الثالث ولا يملا جوف

۴۶) اس حدیث کا پہلا راوی ابو عبید ہے جس کے بارے میں علامہ ذہبی نے لکھا ہے "صاحب التصانيف فثقة مشهور". ميزان الاعتدال، ج۳، ص ۳۷۱

دوسرا راوی اسماعیل بن ابراہیم ہے۔ بقول علامہ ذہبی: الامام الحجة ...... وكان حافظاً فقيها كبيرا القدر۔ ميزان الاعتدال، ج ۱، ص ۲۱۶

تیسرا راوی ایوب ہے۔ قال البخاری "تركه ابن المبارك" وقال ابن معين "لا يكتب حديثه" وقال النسائی والدارقطنی "متروك" وقال الازدی "كذاب". وقال عمرو بن علی "كان اميًا لا يكتب وهو متروك الحديث ولم يكن من اهل الكذب كان كثير الغلط والوهم" وقال ابو حاتم "ضعيف الحديث واهی متروك". (تهذيب التهذيب ج۲، ص ۴۰۲)

چوتھا راوی نافع ہے۔ الفقيه مولى ابن عمرؓ وقال الخليلی: نافع من ائمة التابعين بالمدينة امام فی العلم متفق عليه صحيح الرواية منهم من يقدمه على سالم ومنهم من يقارنه ولا يعرف له خطاً فی جميع مارواه. تهذيب التهذيب، ج ۱۰، ص ۴۱۴

۴۷) قال صالح بن محمد: كان ابن معين يوثقه وعندی انه كان يكذب فی الحديث وقال ابن المدينی: ضربت على حديثه وما اروی عنه شيئا وقال احمد بن صالح: متهم ليس بشیء وقال النسائی: ليس بثقة. ملخصاً من تهذيب التهذيب لابن حجر۔ دار الكتب العلميه لبنان ج۵، ص ۲۳۰

۴۸) هشام بن سعيد: وثقه احمد وكان ابن معين لا يروی عنه ...... وقال النسائی: ليس به باس ووثقه ابن سعد. ميزان الاعتدال مطبوعه، دار الكتب العلميه لبنان ج۷، ص ۸۲

۴۹) زيد بن اسلم (ثقة حجة ۔ قال عبيد الله بن عمر: ما نعلم به باسا الا انه يفسر القرآن برأيه) ميزان الاعتدال ج۳، ص ۱۴۵ و ۱۴۶

۵۰) عطاء بن يسار: قال ابن معين وابوزرعه والنسائی ثقة وقال ابن سعد كان ثقة كثير

ابن ادم الا التراب ویتوب اللّٰہ علی من تاب.

علامہ سیوطی کی بیان کردہ تیسری مثال:

قال (ابوعبید) حدثنا حجاج (۵۱) عن حماد (۵۲) بن سلمہ عن علی (۵۳) بن زید عن ابی حرب (۵۴) بن ابی بن الاسود عن ابی موسی الاشعری قال نزلت سورۃ نحو براء ۃ ثم رفعت وحفظ منھا ان اللہ سیؤید ھذا الدین باقوام لا خلاق لھم ولو ان لابن ادم وادیین من مال لتمنی وادیا ثالثا ولا یملاء جوف ابن ادم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب.

علامہ سیوطی کی بیان کردہ چوتھی مثال:

وقال (ابوعبید) حدثنا اسماعیل (۵۵) بن جعفر عن المبارک (۵۶) بن

الحدیث۔ تھذیب التھذیب لابن حجر مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ لبنان ج۷، ص ۱۸۹

۵۱) حجاج: قال علی بن المدینی والنسائی ثقۃ۔ قال ابن سعد کان ثقۃ صدوقا ان شاء اللّٰہ وقد وثقہ ایضاً مسلم والعجلی وابن قانع ومسلم بن قاسم وذکرہ ابن حبان فی الثقات . تھذیب التھذیب لابن حجر ج۲، ص ۲۰۵

۵۲) حماد بن سلمہ: قال الساجی :کان حافظا ثقۃ ماموناً وقال ابن سعد :کان ثقۃً کثیر الحدیث وقال العجلی : ثقۃ رجل صالح حسن الحدیث ان النسائی سئل عنہ فقال ثقۃ، تھذیب التھذیب ج۳، ص ۱۵

۵۳) علی بن زید: قال صالح بن احمد عن ابیہ لیس بالقوی، وقال معاویۃ بن صالح عن یحیی ضعیف، وفی روایۃ الدوری لیس بحجۃ، وقال مرّۃ لیس بشیء ، تھذیب التھذیب، ج۷، ص ۳۲۲

۵۴) ابی حرب بن ابی بن الاسود: ذکرہ ابن سعد فی الطبقۃ الثانیۃ من قراء اھل البصرۃ وقال کان معروفاً ولہ احادیث وذکوہ ابن حبان فی الثقات، وقال ابن عبد البر ثقۃ، تھذیب التھذیب ج۱۲، ص ۷۰

۵۵) (اسماعیل بن جعفر) قال احمد وابوزرعہ والنسائی :ثقۃ وقال ابن معین: ثقۃ، تھذیب التھذیب، ج۱، ص ۲۸۷

۵۶) المبارک بن فضیلہ: مبارک بن فضیلہ کی توثیق وتضعیف میں محدثین کی آراء مختلف ہیں۔

(اگلے صفحہ پر)

فضيلة عن عاصم(۵۷) بن ابی النجور عن زرّ(۵۸) زيد بن حبيش قال لی ابی بن كعب كاين تعد سورة الاحزاب؟ قلت اثنين وسبعين آية او ثلاثة وسبعين آية قال ان كانت لتعدل سورة البقرة وان كنا لنقرء فيها آية الرجم قلت وما آية الرجم؟ قال "اِذَا زَنٰى الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ فَارْجُمُوْهُمَا اَلْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ".

علامہ سیوطی کی بیان کردہ پانچویں مثال:

قال حدثنا عبد الله(۵۹) بن صالح عن الليث (۶۰) عن خالد (۶۱) بن يزيد عن سعيد (۶۲) بن هلال عن مروان (۶۳) بن عثمان عن ابی امامة

قال عبد الله بن احمد : سالت ابن معين عن المبارك فقال : ضعيف الحديث. وقال ابن ابی خثيمة عن ابن معين: ثقة. وقال ابو زرعة : يدلس كثيرا فاذا قال حدثنا فهو ثقة وقال النسائی : ضعيف . وذكره ابن حبان فی الثقات وكان عسفان يرفعه ويوثقه . تهذيب التهذيب ج ۱۰، ص ۳۰

۵۷) عاصم بن ابی النجود: قال يحيی القطان : ما وجدت رجلا اسمه عاصم الاوجدته ردی الحفظ. وقال النسائی : ليس بحافظ. وقال الدارقطنی : فی حفظ عاصم شی ء وقال ابوحاتم : محله الصدق وقال ابن خراش ' فی حديثه نكرة قلتُ هو حسن الحديث. وقال احمد وابوزرعة : ثقة خرج له الشيخان لكن مقروناً بغيره لا اصلا وانفراداً ميزان الاعتدال للذهبی (مطبوعه دار الكتب العلمية' ج۴' ص ۱۴

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: قال ابن سعيد : كان ثقة الا انه كان كثيرا لخطاء فی حديثه وقال عبد الله بن احمد عن ابيه: كان رجلا صالحا قارئا للقرآن واهل الكوفة يختارون قراءته وانا اختارها وكان خيرا ثقة ...... وقال ابن معين : لا باس به. وقال العجلی: صاحب سنة وقراءة وكان ثقة رأسا فی القراءة ...... وقال يعقوب بن سفيان: فی حديثه اضطراب وهو ثقه ...... قال ابوزرعة : ثقة وقال ابن علية :كل من اسم عاصم سيیء الحفظ . وقال النسائی: ليس به باس وقال العقيلی :لم يكن فيه الا سوء الحفظ. وقال الدارقطنی : فی حفظه شی ء. تهذيب التهذيب 'ج۵' ص ۳۷

۵۸) زر بن حبيش: قال ابن معين :ثقة' وقال ابن سعد :كان ثقة كثيرا لحديث' تهذيب التهذيب' ج۳' ص ۳۲۱

۵۹) عبد الله بن صالح' تقدم ذكره

(دیکھئے اگلے صفحہ پر)